قرآن اور فطری معرفت

آخری قسط

استاد علی ربانی گلپائیگانی

ایران سے متعدد علمی اور تحقیقی جرائد شائع ہوتے ہیں۔ ان میں سے "کیہان اندیشہ" کو عالمی سطح پر خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے شمارہ ۲۷ میں "تفسیر وعلوم قرآن" کے سلسلے میں آزاد اسلامی یونیورسٹی قم کے معروف استاد محقق جناب علی ربانی گلپائیگانی کا ایک مفید مقالہ شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ جناب کوثر عباس حیدری اور جناب فدا حسین بخاری نے کیا ہے۔ ذیل میں ہم اسے نذر قارئین کر رہے ہیں۔ ادارہ

سورہ بقرہ کے آغاز میں پانچ فطری معرفتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تین کا تعلق اسلام کے اعتقادات سے ہے اور وہ ہیں توحید، نبوت، اور قیامت اور دو کا تعلق عمل سے ہے یعنی نماز اور انفاق فی سبیل اللہ۔ ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَo اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo

یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی حقانیت میں ذرا برابر بھی شک نہیں۔ یہ اُن متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اُس سے خرچ کرتے ہیں وہ آپ پر جو نازل ہوا۔ (یعنی قرآن) اور جو کچھ پہلے نازل ہوا (یعنی آسمانی کتابیں) اُن پر ایمان لاتے ہیں وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (فلاح پانے والے ہیں)" (۶۴)

ان آیات میں پہلے تو قرآن کے متعلق وضاحت کی گئی کہ قرآن کی حقانیت میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ یہ پرہیزگاروں کو ہدایت کرتا ہے۔ پھر پرہیزگاروں کی پانچ صفات بیان ہوئیں۔ جن میں سے تین کا تعلق عقیدے اور جاننے سے ہے۔ اور دو صفات کا تعلق عمل سے ہے۔ آخر میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ پرہیزگاروں نے یہ مخصوص صفات اپنے پروردگار کی خصوصی ھدایت کے طفیل حاصل کی ہیں یہی فلاح پانے والے لوگ ہیں۔

مذکورہ آیات میں پرہیزگاروں کے لیے دو طرح کی ہدایت بیان کی گئی ہیں۔ ہدایت قرآنی ہے کہ جس کی طرف پہلی آیت اشارہ کر رہی ہے اور دوسری ہدایت ربوبی جو اس قرآنی ہدایت سے پہلے ہے (۶۵) باالفاظ دیگر قرآنی و تشریعی ہدایت سے پہلے وہ فطری اور تکوینی ہدایت سے بھی بہرہ مند تھے اگر یہ پہلے والی ہدایت نہ ہوتی تو دوسری ہدایت انہیں نصیب نہ ہوتی۔ یعنی ہدایت فطری اور تکوینی ہدایت قرآنی و تشریعی کی بنیاد ہے البتہ اس ہدایت فطری سے مراد فطرت سلیم' اور ناپسند عادات واطوار سے پاک فطرت مراد ہے جو حق کو قبول کرتی ہے جو تکبر' ضد' اور عناد جیسی صفات سے آلودہ نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ان ناپسندیدہ صفات کا وجود معرفت فطری کے لیے آفت اور آسیب کی حیثیت رکھتا ہے جو فطرت کے درخت کو ثمر آور نہیں ہونے دیتا۔ بالکل ایسے جیسے کچھ نباتاتی آفات درخت کو پھولدار نہیں ہونے دیتیں۔ فطرت سلیم مندرجہ ذیل حقائق کو درک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(۱) انسان ایک ضرورت مند وجود ہے لہذا ایک دوسرے وجود کا ہونا ضروری ہے جو اس کی ضرورت کو پورا کرے

(۲) یہ ضرورت نہ صرف انسان بلکہ (انسان اور غیر انسان) دونوں میں موجود ہے۔

(۳) پس ایک ایسے ماوراء وجود کا ہونا ضروری ہے جو انسان اور غیر انسان (تمام موجودات) کی ضرورتوں اور احتیاجات کو پورا کرے۔ اور وہ "ہستی" ایسی ہونی چاہئے کہ وجود کا آغاز اور انجام جس کے ساتھ میں ہو۔ (یعنی مبداء اور معاد)

(۴) جب وہ غیر مادی وجود انسان کی مادی ضروریات کو پورا کرے گا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کی معنوی اور روحانی ضروریات کو پورا نہ کرے اور وہ چیزیں جو ان کے لئے تکامل اور سعادت کا باعث ہیں (اعمال واخلاق کے لحاظ سے) ان کو بیان نہ کرے (یہ ہے نبوت کی ضرورت اور اس پر ایمان)

(۵) جس ہستی نے یہ تمام نعمتیں انسان کو بخشیں ہیں انسان چاہتا ہے کہ اپنے اس منعم کا شکریہ ادا کرے اس کی پرستش کرے وہی پرستش کے لائق ہے پس انسان کو جو رزق اور نعمتیں خدا نے اسے عطا کی ہیں اس کی رضا کیلئے اسے استعمال کرے (نماز اور انفاق اسی زمرے میں آئے گا) پس یہ پانچ اعتقادی اور عملی اصول انسانی فطرت سلیم کے بابرکت درخت کا ثمر ہیں جو قرآن کی ہدایت کے طفیل پھلتے پھولتے ہیں۔

فطری معرفت کی آفتیں

مذکورہ سطور میں یہ واضح ہو گیا ہے کہ قرآن کی نظر میں اعتقادی ' احکامی اور اخلاقی اصول و معارف جو انسان کی معنوی شخصیت اور روحانی کمال کی بنیاد ہیں ان سب کا سرچشمہ فطرت ہے۔ یعنی اس کی خلقت کچھ اس انداز میں کی گئی ہے کہ وہ ان حقائق کو درک کرتے ہوئے ان سے عشق کرتا ہے۔ ان کی شناخت بھی کرتا ہے اور ان کی تعریف بھی کرتا ہے۔ جانتا بھی ہے (اور جاننے کا) متلاشی بھی ہے۔ لیکن خود فطرت ' ان فطری معرفتوں میں دلچسپی کی "علت تامہ" نہیں ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ انسان (کسی چیز کے متعلق) پختہ ارادہ کر لینے والا اور ایک چیز کے انتخاب کر لینے والا وجود ہے جو فطرت کے "پیام" پر دو طرح کا عکس العمل رکھتا ہے۔ ایک مثبت اور ایک منفی وہ فطرت کی بخشی ہوئی نعمتوں پر شکر گزار بھی ہو سکتا ہے اور اس پر ناشکرا اور کفران نعمت کرنے والا بھی چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا

ہم نے انسان کو (ہدایت و سعادت کی) راہ دکھلا دی پس وہ یا تو شکر گزار (بندہ ہے) یا ناشکرا (۶۶)

بنابر ایں یہ دونوں عوامل ممکن ہے کہ فطرت پر اثر انداز ہوں یا تو اس پر مثبت اور بہتر نتائج مترتب کریں یا منفی اور نامناسب لیکن یہ دونوں اثرات خود فطرت کے ہیں بلکہ فطرت سے کئے جانے والے سلوک کا نتیجہ ہیں۔

ہم ان عوامل کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں جو فطرت کیلئے آفت یا موانع بنتے ہیں اور پھر ایسے عوامل کا تذکرہ کریں گے جو فطرت کے درخت کو پھلدار کرتے ہیں اور اس کے پھلنے پھولنے میں موثر ہیں۔

ا۔ جھوٹی بے نیازی

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا فطرت سلیم انسان کو "نیاز مندی" فقر ذاتی و ہمیشگی سے آگاہ کرتی ہے (یعنی فطرت کہتی ہے کہ انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے ایک ذات کا محتاج ہے) لیکن اگر صورتحال یہ ہو جائے کہ انسان بعض معروضی حالات کے سبب اور مختلف علل و اسباب کے سبب اپنے اندر بے نیازی اور خود کو غنی سمجھنے کا احساس کرنے لگے تو پھر فطرت کے درخت سے ثمر حاصل کرنے سے محروم رہے گا۔ قرآن اس بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے :

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى

ہر گز ایسا نہیں ہے کہ انسان خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر ہمیشہ شکر ادا کرے بلکہ جب بھی خود کو بے نیاز سمجھتا ہے ' طغیان و کفران کرنے لگتا ہے۔ (۶۷)

یہ چیز مد نظر رکھتے ہوئے کہ یہ آیت ان آیات کے بعد آئی ہے جن میں خدا کی بڑی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جیسے مثلاً نعمتِ وجود ' نعمت علم ' پتہ یہ چلتا ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ انسان کو خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر گزار ہونا

چاہیے اور اس کے حضور خاضع ہونا چاہیے۔ لیکن دوسری طرف اس کی مادی اور "حیوانی" طبیعت کچھ اس طرح ہے کہ جب بھی وہ آسائشوں اور نعمتوں کے ہالے میں گھر جاتا ہے خود کو گم کر دیتا ہے اور خدا کو فراموش۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَا بِجَانِبِهٖ

جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں وہ ہم سے منہ موڑ لیتا ہے اور دور ہو جاتا ہے" (۶۸)

۲۔ اپنے آپ کو برتر سمجھنا (استکباریت)

خود کو بے نیاز سمجھنا، اور اپنے فقر سے غفلت، اور کائنات کے خالق سے وابستگی سے خود کو لاتعلق سمجھنا، انسان کو فطرت کے ثمرات سے بہرہ مند ہونے سے محروم کر دیتا ہے تو استکباریت اور خود کو برتر سمجھنا بھی فطرت کیلئے ایک بڑا آسیب اور آفت ہے یہ ایسا مانع ہے جو فطرت کے درخت کو رشد و نمو نہیں کرنے دیتا۔ متکبر انسان خود کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔ یہ شیطانی سرگوشی اس کو فطری اور الٰہی پیغام سے (جو یہ کہتا ہے کہ برتری تو صرف تقویٰ اور پاک دامنی کی وجہ سے ہے اور یہ سب خدا کے حضور عاجزی اور فروتنی اور خدا کے بندوں کی نسبت مہربان اور شفیق ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی) سے غافل کر دیتی ہے۔

ایک متکبر انسان فطرت اور شریعت کے حریم و حدود کو توڑ دیتا ہے وہ (عملاً) نبوت کا انکاری ہو جاتا ہے اور آیات الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا اور لوگوں پر ظلم و ستم اور سمجھتا ہے۔ قرآن اس بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا

جب ہماری واضح اور روشن نشانیاں ان کے پاس آئیں تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے انہوں نے اس کا انکار کیا اور باوجودیکہ وہ ہماری آیات کا (دل سے تو) یقین رکھتے تھے مگر انہوں نے ظلم اور برتر طلبی کی بناء پر ان آیات کا انکار کیا۔ (۶۹)

یہ آیات اگرچہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے رد عمل کے بارے میں بیان کر رہی ہیں ہے جو حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات کے مقابل میں ان کا تھا۔ آیات بتلاتی ہیں کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات کی حقانیت کے بارے میں یقین رکھتے تھے تو فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یقین کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے لیکن چونکہ خود پسندی اور ستم گری کا جذبہ ان کے اندر گھر کر گیا تھا اس بنا پر اس کا انکار کیا ایک دوسری جگہ ان کے بارے میں یوں ارشاد ہے :

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ

فرعون اور اس کے لشکریوں نے زمین میں ناحق استکبار کیا اور وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ ہماری طرف لوٹ کے نہیں آئیں گے۔ (۷۰)

۳۔ خواہشات نفسانی کی پیروی

خواہشات نفسانی کی پیروی بھی فطرت کیلئے ایک خطرناک آفت ہے۔ انسان جب اس بیماری کا شکار ہو جاتا ہے تو فطرت کی پکار پر کان نہیں دھرتا الٰہی دعوت کا انکار کرتا ہے اور عدالت کے نفاذ سے روگردانی کرتا ہے یہاں تک کہ پیغمبروں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو استکباریت بھی اسی ہوا پرستی ہی کی پروردہ ہے قرآن کریم اس بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

افکُلَّما جآء کُمْ رسُوْلٌ بما لا تَھوٰی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ و فرِیْقًا تقتُلُوْن

کیا ایسا نہیں کہ جب بھی تمہارے پاس ایسے رسول آئے جنہیں تمہاری خواہشات نفسانی نہ چاہتی تھیں تو تم نے استکبار کیا کچھ کا انکار کیا اور کچھ کو مار ڈالا۔ (۷۱)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰیٓ اَنْ تَعْدِلُوْا

خواہشات نفسانی کی اس طرح پیروی نہ کرو کہ نفاذ عدالت کیلئے مانع بن جائے۔ (۷۲)

وَ لَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

ہوائے نفس کی پیروی نہ کر کیونکہ یہ تجھے خدا کی راہ سے پھیر دے گی۔ (۷۳)

افرء یت من اتّخذ الٰھہ ھوٰہُ وَ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سمْعِہٖ و قلْبہ و جعل علٰی بصرہ غشوۃً فمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ م بَعْدِ اللّٰہ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے سمجھ بوجھ کر اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اس کے کان و دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے پھر ایسی حالت میں اللہ کے سوا کون ہدایت کر سکتا ہے! کیا تم غور نہیں کرتے۔ (۷۴)

اس قسم کی آیات جن میں گمراہ کرنے کی نسبت خداوند کی طرف دی گئی ہے ان میں گمراہ کرنا سزا دینے کے معنی میں ہے دلیل یہ ہے کہ پہلے فرمایا ہے کہ وہ شخص حقیقت کا علم رکھتا ہے اور پھر فرمایا کہ اس نے ہوا پرستی کو خدا پرستی پر ترجیح دی ہے اس صورت میں سزا اور کیفر کا مستحق ہے اور اس کی سزا یہی ہے کہ ہدایت الٰہی سے محروم کر دیا جائے۔

۴۔ ظن و گمان کی پیروی

فطرت سلیم صرف یقین کو معتبر قرار دیتی ہے اور ظن و گمان کیلئے کسی اہمیت کی قائل نہیں ہے پس انسان اگر فطرت کے سکھانے ہوئے اس قاعدے پر کان نہ دھرے اور ظن و گمان پر عمل کرے تو در حقیقت اس نے اپنی فطرت پر پردہ ڈال دیا ہے اور بے راہ روی کا شکار ہو گیا۔ قرآن کی متعدد آیات فرماتی ہیں کہ مشرکین اور بت پرست ظن اور گمان کے سوا کسی کی پیروی نہیں کرتے اور وہ اپنے عقائد میں یقین اور علم کے پیروکار نہیں ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ وَ مَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــــًٔا

کہو کہ تم نے جو خدا کے شریک بنا رکھے ہیں ان میں سے کوئی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے کہہ دو صرف خدا ہی حق کی ہدایت کرتا ہے اور جو حق کی ہدایت کرے وہ زیادہ اس کا حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو حق کو نہیں پہچانتا مگر یہ کہ اس کی ہدایت کی جائے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟ ان میں سے اکثر ظن کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان کبھی انسان کو حق سے بے نیاز نہیں کرتا (یعنی ظن و گمان حق کی تشخیص کیلئے فائدہ نہیں دیتا۔) (۷۵)

اس آیت میں پہلے چند فطری معرفتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ پہلی یہ کہ بت اور وہ چیزیں جن کی پرستش یہ لوگ کرتے ہیں انسان کو حق کی طرف ہدایت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ وہ یا تو جامد اور بے جان ہیں جن میں درک اور شعور کی قوت نہیں ہے یا جاندار ہیں تو وہ خود مخلوق ہیں اور (خالق کے) محتاج ہیں اور جو چیز مخلوق ہو وہ از خود دوسروں کو ہدایت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

۲۔ دوسرا یہ کہ خدا انسان کی ہدایت پر قادر ہے کیونکہ تخلیق کرنے والا وہی ہے۔

۳۔ انسان حق کی ہدایت کا محتاج ہے۔

۴۔ وہ ہستی پیروی اور پرستش کی لائق ہے جو انسان کو حق کی ہدایت کر سکے اور وہ خدا کے سوا کوئی اور نہیں۔ پھر دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جو چیز مشرکوں کیلئے اس عقلی اور فطری اصول کی طرف متوجہ ہونے کی رکاوٹ ہے وہ ہے ان کا ظن اور گمان کی پیروی کرنا۔ (۷۶)

۵۔ اندھی (اور بے دلیل) تقلید

عقل و فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جو چیز نہیں جانتا اور خود اس چیز کے متعلق علم و معرفت کے وسائل یا امکانات نہیں رکھتا تو اس فن کے ماہرین اور اہل علم کی طرف رجوع کرے قرآن کریم بھی اس اصول کی تاکید کرتا ہے ارشاد ہے

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (باخبر) سے پوچھ لو۔ (۷۷)

دوسری طرف فطرت کا فیصلہ یہ ہے کہ دوسروں کی تقلید میں بھی معیار آگاہی اور بصیرت ہے محض نیک ہونا' یا بزرگ (آباؤ اجداد) ہونا' از خود ہی تقلید کا معیار نہیں ہے۔ لہذا محض اس بناء پر کہ یہ عقیدہ نیک لوگوں کا قبول کردہ تھا یا یہ عمل ان کا قبول کردہ تھا' معیار حقانیت نہیں ہے لہذا اگر اس طرح کی پیروی معیار قرار پائے تو یہ عمل خلاف مقتضائے فطرت ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے :

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ

جب ان سے یہ کہا جائے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں ہم اپنے آباؤ واجداد کی روش کی پیروی کریں گے اگر ان کے آباؤ واجداد علم نہ رکھتے تھے اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے کیا پھر بھی وہ ان کی پیروی کریں گے۔ (۷۸)

۶۔ شخصیت پرستی

مشہور شخصیات کی طرف رجحان' نام اور مقام والے افراد کی طرف جھکاؤ بھی فطرت کے رجحانات اور رکاوٹوں میں سے ایک ہے۔

عقل و فطرت کی نظر میں نام' مقام' شہرت کا' فی نفسہ ان شخصیتوں کے قول و فعل کے مطابق حق ہونے پر دلیل نہیں ہیں۔ لیکن کچھ ظاہر پرست انسان فطرت کی اس پکار کو اہمیت نہیں دیتے اور ایسے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں جو نامور اور صاحب مقام و ثروت ہوتے ہیں' ہدایت سے بہرہ مند نہیں ہوتے لیکن ایسی شخصیتوں کی پیروی کی وجہ سے وہ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ قرآن نے کچھ دوزخیوں کی گفتگو نقل کی ہے جو صاحب نام و مقام شخصیات کی پیروی کے سبب گمراہی کا شکار ہوئے ارشاد ہوتا ہے

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا

خدایا ہم نے اپنے بزرگوں اور سرداروں کی پیروی کی نتیجتاً انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ (۷۹)

۷۔ کسی چیز کے قبول یا رد کرنے میں جلدبازی

عقل و فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جب تک کسی چیز کے صحیح ہونے کو جان نہ لے اس کا علم پیدا نہ کرلے اور جب تک اس کے نادرست ہونے کو پرکھ نہ لے اسے رد نہ کرے لیکن بسااوقات کچھ لوگ کچھ روحانی یا غیر روحانی عوامل کے زیر اثر آجاتے ہیں اور اس فطری قانون سے سرپیچی کر جاتے ہیں لہذا نظریات کے قبول کرنے اور انہیں رد کرنے میں جلدبازی کر جاتے ہیں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے انسان کو دو آیات میں خاصی سرزنش کی ہے اور ان سے یہ تقاضا کیا ہے کہ وہ سوائے حق کے کچھ نہ کہیں اور جس چیز کو نہیں جانتے اس کا انکار نہ کریں سورۃ اعراف میں فرمایا:

اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

کیا ان سے کتاب (فطرت و شریعت میں) سے یہ پیمان نہیں لیا گیا کہ وہ حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے۔ (۸۰)

سورۃ یونس میں ارشاد ہوا:

بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ

جس چیز کے متعلق احاطہ علمی نہیں رکھتے تھے اور جس کی تاویل ان کے سامنے بیان نہیں کی گئی اس کا انکار کرتے۔ (۸۱)

وہ عوامل جو فطرت کو آگاہی دینے والے اور اس کے محرک ہیں

گذشتہ سطور میں فطرت کی آفات اور بیماریوں کا ذکر کیا گیا اب ہم ان عوامل کی نشان دہی کرتے ہیں جو فطرت کے جلوہ نما اور اس کا منبع اور محرک ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ ہمیشہ اپنے آپ کو خداوند متعال کا محتاج سمجھنا۔ ۲۔ دوسروں کے سامنے تواضع اور فروتنی محض خدا کی رضا کی خاطر اختیار کرنا ۳۔ خواہشات نفس کی پیروی نہ کرنا ۴۔ گمان سے دوری اور یقین کی پیروی کرنا ۵۔ اندھی تقلید سے پرہیز ۶۔ شخصیت پرستی سے علیحدگی ۷۔ افکار کی قبولیت میں جلدبازی نہ کرنا یہ سب وہ عوامل ہیں جو چراغ فطرت کی فزونی کا سبب اور اس کے نتیجے میں انسان کے عقیدے و عمل کا باعث ہیں۔

قرآن مجید کی آیات کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ انسان جب مشکلات میں گرفتار ہوتا ہے اور ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے ظاہری وسائل و اسباب اس کے کچھ کام نہیں آتے یا منقطع ہو جاتے ہیں تو اس وقت اس کے اندر فطرت حقیقت شناس اسے ان مادی قید و بند سے رہا کروالیتی ہے اور پھر انسان پیام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم ہو جاتا ہے اور بے نیاز مطلق کی چوکھٹ پر جھک جاتا ہے اور پھر فقط اسے پکارتا ہے لیکن جب

مشکلات دور ہو جاتی ہیں اور دوبارہ معمول کے مطابق زندگی گزارنا شروع کرتا ہے اور اپنی دنیا میں مصروف و مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر فراموشی اور غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ خود خواہی اور دنیا پرستی کے سیاہ بادل اس کی فطرت کو ڈھانپ لیتے ہیں اور پھر وہ اپنے پروردگار کو فراموش کر دیتا ہے۔

قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے :

اذآ مسّ النّاس ضرٌ دعوا ربّھم مُّنیبین الیه ثُمّ اذآ اذاقھُم مّنہُ رحمۃً اذا فریقٌ مّنھُم بربّھم یُشرکُوْن

جس وقت لوگوں کو ضرر (۸۲) پہنچتا ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر جب وہ انہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک فریق اپنے پروردگار کی طرف سے مشرک ہو جاتا ہے۔ (۸۳)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ آیت 'آیت فطرت' کے بعد واقع ہوئی ہے۔

سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے :

و اذا مسّ الْانسان ضُرٌ دَعا ربّه' مُنیبًا الیه ثُمّ اذا خوّله' نِعْمةً مّنهُ نسی ما کان یدعُوآ الیه من قبلُ و جعل للّه اَندادًا لّیُضلّ عن سبیله قُلْ تمتّعْ بکُفرک قلیلًا انّک من اصحٰب النّار

جس وقت انسان کو کوئی ضرر پہنچتا ہے تو پھر وہ اپنے پروردگار کو پکارتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن جب وہ (اللہ) اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرے تو وہ اس بات کو جس کیلئے وہ پہلے پکارتا تھا بھول جاتا ہے اور خدا کیلئے شریک و امثال قرار دینے لگتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے منحرف کر دے کہہ دے کہ چند دن کیلئے اپنے کفر سے فائدہ اٹھالے۔ بے شک تو اہل جہنم میں سے ہے۔ (۸۴)

سورۂ زمر کی ایک اور آیت میں ارشاد ہوا :

فاذا مسّ الْانسان ضُرٌ دعانا ثُمّ اِذا خوّلْنهُ نِعْمةً مّنّا قالَ اِنّمآ اُوْتیتُه' علٰی علْمٍ بلْ هیَ فتنةٌ ولٰکنّ اَکثرهُم لا یعْلمُوْن

جس وقت انسان پریشان اور بے حال ہوتا ہے ہمیں پکارتا ہے جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو میں نے اپنے علم کے سبب حاصل کی ہے لیکن وہ نعمت انسان کی آزمائش کا وسیلہ ہے اگرچہ اکثر انسان نہیں جانتے۔ (۸۵)

یہاں اس آیت میں "غرور علمی" کو خدا کی طرف سے متوجہ ہونے میں رکاوٹ قرار دیا گیا ہے یہی سبب تھا جس نے قارون کو ہلاکت اور بدبختی کی طرف دھکیلا اس لئے کہ اس نے بھی حضرت موسیٰ کے جواب میں جب آپ نے فرمایا تھا کہ راہ احسان و نیکی اختیار کرو اور اپنے مال میں سے خدا کی راہ میں انفاق کرو، خرچ کرو اس نے کہا تھا :

اِنَّمَآ اُوتِیْتُه، عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ

مجھے جو کچھ بھی دیا گیا ہے اسے میں نے ذاتی علم کی بناء پر حاصل کیا ہے۔ (۸۶)

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا :

فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِکُوْنَ

جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں کمال بندگی کیساتھ خدا کو پکارتے ہیں اور جب وہ انہیں نجات دیکر خشکی پر لے آتا ہے تو پھر اچانک شرک شروع کر دیتے ہیں۔ (۸۷)

سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۳۲ بھی تقریباً یہی مفہوم بیان کر رہی ہے۔

منقول ہے کہ جب بت پرست کشتی پر سوار ہوتے تو اپنے بتوں کو بھی ہمراہ لے جاتے لیکن جب طوفان سے دو چار ہوتے تو بتوں کو دریا میں پھینک دیتے اور فریاد کرتے یاربّ یاربّ ... (۸۸)

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے فرزند رسولؐ خدا کے وجود کی طرف میری راہنمائی کیجئے تا کہ مجھے معلوم ہو کہ خدا کون ہے کیونکہ اس بارے میں کثرت مباحثہ نے مجھے متحیر کر دیا ہے۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا کبھی کشتی پر سوار ہوتے ہو اس نے کہا ہاں تو فرمایا کہ کبھی تمہاری کشتی خطرے میں بھی گھری ہے اور کبھی ایسا ہوا کہ تمہیں نجات دینے کیلئے نہ تو کوئی اور کشتی تھی اور نہ ہی تم کو تیرنا آتا تھا تا کہ تمہیں نجات مل سکے اس نے کہا : ہاں ! امام علیہ السلام نے فرمایا تو کیا اس وقت تو نے اپنے اندر یہ احساس نہیں کیا کہ ایک ہستی (سے میری امید اب بھی بندھی ہے جو) مجھے نجات دے سکتی ہے اس نے کہا : ہاں اے فرزند رسول! تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہستی اور وہ وجود وہی خدا ہے کہ جب تمہارا کوئی بھی نجات دھندہ اور فریادرس نہ ہو تو وہی نجات دھندہ اور فریادرس ہوتا ہے۔ (۸۹)

آخر میں یاد آوری کرتے چلیں کہ وہ آیات جو خداوند متعال کے وجود کے متعلق فطری معرفت سے پیش کی جاتی ہیں ان میں سورہ اعراف کی آیت ۱۷۲، ۱۷۳ بھی ہے جو "آیت ذر" کے نام سے معروف ہے۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں مختلف آراء ہیں، جن کا تجزیہ و تحلیل کے لئے علیحدہ بحث کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۶۴) البقرہ‘۲۔۵ ۶۵) المیزان‘ج ا‘ص ۴۴‘۴۵
۶۶) الانسان‘۳ ۶۷) علق‘۶۔۷
۶۸) اسراء‘۸۳ ۶۹) النمل‘۱۳۔۱۴
۷۰) قصص‘۳۹اور اس کے علاوہ دوسری آیات بھی ہیں جن میں یہ مطلب بیان ہوا ہے۔ان آیات کو دیکھیے۔
اعراف‘۱۴۶۔مدثر‘۲۴۔ زمر‘۵۹۔ بقرہ‘۸۷ احتاف‘۱۰
۷۱) بقرہ‘۸۷ ۷۲) النساء‘۱۳۵
۷۳) ص‘۲۶ ۷۴) جاثیہ‘۲۳
۷۵) یونس‘۳۵۔۳۶
۷۶) یہ مطلب قرآن کی ان آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔نساء‘۱۵۷۔ انعام‘۱۴۸۔ یونس‘۶۷۔ ص‘۲۷۔
جاثیہ‘۲۴۔ آل عمران‘۱۵۴
۷۷) النخل‘۴۳
۷۸) بقرہ‘۱۷۰ اس کے علاوہ اس مطلب سے مربوط آیات۔مائدہ‘۱۰۴۔اعراف‘۲۸۔ یونس‘۷۸۔ انبیاء‘۵۳۔
شعراء‘۷۴۔ لقمان‘۲۱۔ زخرف ۲۲-۲۳
۷۹) الاحزاب‘۶۸ ۸۰) اعراف‘۱۶۹
۸۱) یونس‘۳۹۔ مزید تفصیل کے لئے رجوع کیجئے۔المیزان ج ۸۔ ص ۳۰۴۔
انسان وایمان‘استاد مطہری ص ۶۶-۷۱۔ نظریہ المعرفۃ‘استاد سبحانی ص ۳۱۸-۳۲۴
۸۲) راغب اصفہانی کلمہ ”ضر“ کے متعلق کہتے ہیں۔یہ انسان کی وہ بری حالت ہے جو کبھی اس کی روح میں پیدا ہوتی ہے جیسے علم‘فضل وعفت کے نہ ہونے کی وجہ سے اور کبھی اس کے بدن میں پیدا ہوتی ہے جیسے نقص عضو کی وجہ سے اور کبھی یہ اس کے بدن میں پیدا ہوتی ہے جیسے نقص عضو کی وجہ سے اور کبھی یہ اس کی حالت ظاہری ہے جیسے قلت مال ومقام ہونے کی وجہ سے۔
۸۳) روم‘۳۳ ۸۴) زمر‘۸
۸۵) زمر‘۴۹ ۸۶) قصص‘۷۸
۸۷) عنکبوت‘۶۵ ۸۸) تفسیر المراغی‘ج ۲۱۔ص ۲۱
۸۹) شیخ صدوق‘معانی الاخبار‘ص ۴-۵۔ مجلسی بحار الانوار‘ج ۳ ص ۴۱